توازن اور اعتدال اور ہماری صورتحال

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
استاذ حدیث جامعہ عربیہ امدادیہ، مراد آباد انڈیا

موجودہ دورہ میں ہم جن حالات سے دوچار ہیں اور جو بے اعتدالیاں اور خرابیاں ہم میں جڑ پکڑ چکی ہیں ان میں ایک بے اعتدالی اور خرابی ہے اعمال وافعال کے درجات ومراتب (Grad) سے ناواقفیت اور اس کے نتیجہ میں غیر اہم امور کو اہم اور اولین مقام دے کر اہم اور فوری توجہ کے متقاضی امور کو نظر انداز کرنا۔

عقل وشرع دونوں کا تقاضا ہے کہ توازن ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا، تمام اعمال واحکام واقدار میں اہم کو غیر اہم سے مقدم رکھنا، اور اعتدال وعدل کے تقاضے پورے کرنا بنیادی طور پر ضروری ہے، نہ اس کی گنجائش ہے کہ غیر اہم کو اہم پر اور کم اہم کو زیادہ اہم پر مقدم رکھا جائے اور نہ ہی یہ درست ہے کہ بلند مرتبہ کو کم مرتبہ اور بڑے کو چھوٹا اور چھوٹے کو بڑا کیا جائے، بلکہ مکمل عدل، توازن اور تناسب برقرار رکھنا لازمی ہے، واقعہ یہ ہے کہ شریعت بندوں کو جن احکام، افعال اور اقدار کا مکلف اور پابند بناتی ہے وہ سب مرتبہ میں یکساں نہیں ہیں، بلکہ ان میں شریعت نے تفاوت اور فرق رکھا ہے، کچھ اہم ہیں اور کچھ اہمیت میں کم، کچھ اصول کا درجہ رکھتے ہیں اور کچھ فروع ہیں، ان میں فرائض وارکان کے درجہ کی چیزیں بھی ہیں اور تکمیل وتحسینی درجہ کی چیزیں بھی، اعلیٰ بھی ہیں اور ادنیٰ بھی۔

خود قرآن وحدیث کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے ہر حکم وعمل کا درجہ یکساں نہیں رکھا ہے، بلکہ ان میں فرق اور تفاوت ہے، قرآن میں ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے ﴿أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الآخر وجاهد في سبيل الله، لايستوون عندالله، والله لايهدى القوم الظالمين، الذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله بأموالهم وأنفسهم أعظم درجة عندالله، وأولئك هم الفائزون﴾ (التوبة: ۱۹، ۲۰) کیا تم لوگوں نے یہ ٹھیرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لئے سبیل لگا دینی اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اسی درجہ کا کام ہے جیسا اس شخص کا کام جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں، اور اللہ (کا قانون یہ ہے کہ وہ) ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا، جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد

کیا تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس آیت میں یہ بتادیا گیا ہے کہ ایمان اور جہاد وہ اعمال ہیں جن کا درجہ مسجد حرام کو آباد کرنے اور حاجیوں کو پانی پلانے سے بدر جہا بڑھا ہوا ہے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے، بلکہ ان میں درجات کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔

حدیث میں آتا ہے:"الایمان بضع وسبعون شعبة: أعلاها لا اله الا اللّٰه، وأدناها إماطة الأذى عن الطريق" (متفق عليه) ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، سب سے افضل شعبہ کلمۂ لا الہ الا اللہ (کا اعتراف واقرار) ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا اور دفع کرنا ہے۔

اس حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایمان کے مختلف شعبوں میں اتحادِ مرتبہ نہیں بلکہ تفاوتِ مراتب و مدارج ہے، صحابۂ کرام چونکہ ایمانی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اس لئے وہ یہ جاننے کے لئے بے حد کوشاں رہتے تھے کہ سب سے افضل عمل کون ہے؟ تا کہ اس پر مداومت کر کے قربِ خداوندی کی دولت سے مالا مال ہوں، اسی لئے ذخیرۂ احادیث میں بیسوں ایسی حدیثیں ہیں جن میں صحابہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا ہے کہ سب سے افضل یا سب سے بہتر یا اللہ کے نزدیک سب سے محبوب اور پیارا عمل کون سا ہے؟ اور جواب میں آپ نے مخاطبین، حالات، مقام وموقع، زمانہ ووقت کے تفاوت کی رعایت فرماتے ہوئے مختلف اعمال کو افضل بتایا، کبھی وقت کے شروع میں نماز کو افضل بتایا، کبھی عمل خیر پر مداومت کو بہتر قرار دیا، کبھی سلام کی ترویج کو افضل فرمایا اور کبھی بھوکے کو کھانا کھلانا سب سے اچھا کام بتایا، کبھی فرمایا کہ سب سے بہتر جہاد ظالم حاکم کے سامنے اعلانِ حق ہے، کبھی ارشاد ہوا کہ سب سے بہترین صدقہ تندرسی، مال کی محبت، بخل وحرص، اندیشۂ فقیر وامیدِ مالداری کے زمانے کا صدقہ ہے۔

حضرت عمرو بن عبسہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "ماالاسلام؟" اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:"أن يسلم للّٰه قلبك، وأن يسلم المسلمون من لسانك ويدك" اسلام یہ ہے کہ تیرا دل اللہ کے سامنے جھک جائے اور مسلمان تیری زبان درازی اور دست درازی سے محفوظ رہیں، اس نے پوچھا "أي الإسلام أفضل؟" کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:الایمان ، ایمان۔ (وہ اسلام جو اندرونِ قلب کے یقین کے نتیجے میں پیدا ہو) اس نے پوچھا "ما الإيمان؟" ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "أن تؤمن باللّٰه وملائكة، وكتبه، ورسوله والبعث بعد الموت" ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کی کتابوں پر، فرشتوں، پیغمبروں اور زندگی بعد موت پر، دل سے یقین کرلو، اس نے سوال کیا "فأي الإيمان أفضل؟" کون سا ایمان افضل ہے؟ فرمایا:"الهجرة" ہجرت، پوچھا:"وما الهجرة؟" ہجرت کیا ہے؟ فرمایا:"أن تهجر السوء" ہجرت یہ ہے کہ تم برائی اور گناہ چھوڑ دو، پوچھا "فأي الهجرة أفضل؟" کون سی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا:

"الجهاد" جہاد، پوچھا"وما الجهاد؟"جہاد کیا ہے؟فرمایا:"ان تقاتل الكفار إذا لقيتهم" جہاد یہ ہے کہ جب کافر دشمنوں سے سامنا اور مڈبھیڑ ہو جائے تو ان سے لڑائی کرو، پوچھا:"فأي الجهاد افضل؟" کون سا جہاد افضل ہے؟فرمایا:"من عقر جواده واهريق دمه" جس میں گھوڑا ماردیا جائے اور مجاہد کا خون بہادیا جائے (شہید کردیا جائے) وہی سب سے افضل جہاد ہے (مسند احمد)

اس حدیث سے بہت واضح طور پر اعمال میں تفاوت مراتب ودرجات کا علم ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کے تجزیاتی اور غائرانہ مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اعمال صالحہ، اخلاقِ حسنہ اور عباداتِ اسلامیہ میں معیار اور درجہ ومرتبہ کا واضح اور نمایاں فرق ہے جس کی بنیاد پر اہم اور غیر اہم کی تمیز کی جاسکتی ہے، مثلاً حدیث میں آیا ہے"صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة" باجماعت نماز تنہا نماز سے ستائیس گنا زیادہ افضل ہے (متفق علیہ)"تفضل الصلوة التى يستاك لها على الصلوة التى لا يستاك لها سبعين ضعفا" وہ نماز جس کے لئے مسواک کی جاتی ہے اس نماز سے ستر گنا برتر ہے جس کے لئے مسواک نہیں کی جاتی (شعب الایمان) روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی کے پاس کل دو درہم تھے اس نے اپنا آدھا مال (ایک درہم) راہِ خدا میں صدقہ کردیا، حالانکہ اسے اس درہم کی بھی ضرورت تھی مگر اپنی ضرورت پر صدقہ کو ترجیح دی، اور دوسرے آدمی کے پاس بہت وافر مال تھا، جس میں سے اس نے ایک لاکھ درہم صدقہ کردیا، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا"سبق درهم مأة ألف درهم" ایک درہم ایک لاکھ درہم پر (دینے والے کے جذبۂ اخلاص وایثار کی وجہ سے) فائق ہوگیا، (سنن نسائی) ایک حدیث میں ہے"رباط يوم وليلة خير من صيام شهر وقيامه" ایک روز وشب کی سرحد کی پہرہ داری وحفاظت پورے ماہ کے روزوں اور شب بیداری سے افضل ہے۔ (صحیح مسلم) دوسری طرف اعمالِ سیئہ، اخلاق فاسدہ اور شرعی ممنوعات میں بھی درجہ بندی اور تفاوتِ رتبہ ہے، کبائر (بڑے گناہ) اکبرالکبائر (سب سے بڑے گناہ) صغائر (چھوٹے گناہ) مکروہات، مشتبہات، خلافِ اولیٰ اور وغیرہ کی تقسیم اس کی واضح دلیل ہے، مثال کے طور پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا"درهم ربا يأكله الرجل، وهو يعلم، أشد عندالله من ستة وثلاثين زنية" سود کا ایک درہم جسے آدمی کھائے اللہ کی نگاہ میں چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ سنگین جرم ہے (مسند احمد) فرمایا"الغيبة أشد من الزنا" غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے۔ (شعب الایمان) ارشادنبوی ہے کہ سب سے بدترین خصلت بخل اور بزدلی ہے (ابوداؤد)۔ سب سے بدترین لوگ وہ ہیں جو بے ضرورت بک بک کرتے اور بہت بولتے ہیں، اور تکبر کرتے ہیں اور باچھیں پھاڑ کر باتیں کرتے ہیں (ترمذی) سب سے بڑا چور نماز کا چور ہے، جو رکوع سجدہ پورا نہیں کرتا، جلد بازی کرتا ہے، سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرتا ہے (طبرانی)

قرآن کی تصریح ہے کہ جس طرح اعمال میں تفاوت ہے اسی طرح افرادِ بشر اور انسانوں میں بھی مساوات مرتبہ نہیں ہے بلکہ علوم واعمال، سیرت واخلاق کے اعتبار سے تفاوت ہے، انسانوں میں اصل خلقت کے لحاظ سے تو مساوات ہے مگر اعمال واخلاق کے لحاظ سے بڑا واضح فرق ہے، ذیل میں قرآن کی چند آیات درج کی جاتی ہیں جو اسے واضح کرتی ہیں۔

ارشاد باری ہے ﴿یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عندالله أتقاکم﴾ (الحجرات:١٣) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت کے اختلاط سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قبائل اور خاندان بنایا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرسکو، تم میں سب سے معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہے۔

﴿قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون﴾ (الزمر: ٩) کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ ﴿لایستوی القاعدون من المؤمنین غیر أولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله بأموالهم وأنفسهم، فضل الله المجاهدین بأموالهم وأنفسهم علی القاعدین درجة، وکلا وعدالله الحسنی، وفضل الله المجاهدین علی القاعدین أجراً عظیماً درجات منه ومغفرة ورحمة﴾ (النساء:٩٥،٩٦) مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے، اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان ومال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ افضل رکھا ہے، اگرچہ ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ کیا ہے، مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے، ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت ورحمت ہے۔

﴿ومایستوی الأعمی والبصیر، ولا الظلمات ولاالنور، ولا الظل والحرور، ومایستوی الأحیاء ولا الأموات﴾ (فاطر: ١٩-٢٢) اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے، نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں، نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی ہے اور نہ زندے اور مردے مساوی ہیں۔ ﴿ثم أورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا، فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد، ومنهم سابق بالخیرات بإذن الله﴾ (فاطر:٣٢) پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنادیا اپنے بندوں میں سے منتخب لوگوں کو، اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور کوئی متوسط درجہ کا ہے اور کوئی نیکیوں کی طرف بحکم خداوندی سبقت کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا کہ اعمال واخلاق کی طرح انسانوں میں بھی تفاوت ہے، مگر یہ فرق علم، عمل، خداترسی، جہاد وغیرہ کے لحاظ سے ہے۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اعمال میں تفاوت ہے، اور ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنا اور مناسب درجہ دینا اہل ایمان کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

مگر آج امت کی صورت حال یہ ہے کہ مادی، معنوی، فکری، معاشرتی، سماجی، اجتماعی واقتصادی، سیاسی و تہذیبی ہر میدان میں امت بے اعتدالی اور بے احتیاطی کی شکار ہے اور غیر اہم کو اہم قرار دے رہی ہے، آج اسلامی ممالک میں تعلیم جو کسی بھی قسم کی زندگی کے لئے اساس کا درجہ رکھتی ہے، کے مقابلے میں دوسری غیر اہم بلکہ ناجائز چیزوں مثلاً لہو ولعب، ڈرامہ، تھیٹر، اداکاری وغیرہ کو اولین مقام دیا جارہا ہے، نوجوانوں میں جسمانی صحت، ورزش وغیرہ کو روحانی وعقلی وشعوری ترقی کے مقابلے مں زیادہ ترجیح مل رہی ہے، ابوالفتح بستی نے اپنے اشعار میں اسی کا رونا رویا ہے کہ قوم جسم پر عقل وقلب سے زیادہ توجہ دے رہی ہے کہتا ہے۔

یـا خـادم الـجسـم کـم تسـعی لخدمته	أتطلب الـربـح مـمـا فیـه خسران
أقبـل عـلـی النفس، واستکمل فضائلها	فـأنـت بـالـنـفس لا بالجسم إنسان

اے جسم کے خادم! اپنے قلب ونفس پر توجہ مرکوز کرو، اسے فضائل ومحامد سے آراستہ کرو، تم اپنے جسم کی وجہ سے نہیں بلکہ قلب وعقل ونفس کی وجہ سے انسان ہو۔ مشہور جاہلی شاعر زہیر کا یہ شعر بہت رائج ہے۔

لســان الــفتـی نـصف ونـصف فـؤاده	فـلـم یبـق إلا صـورـة الـلـحم والدم

نوجوان کی زبان اور دل ہی اس کا سب کچھ ہیں، یہ نہ ہوں تو گوشت اور خون کی ایک صورت اور ڈھانچہ ہی بچتا ہے۔

حدیث میں بھی آیا ہے کہ "ألا إن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح السجد کله وإذا فسدت فسد الجسد کله ألا وهی القلب" (متفق علیہ) سنو جسم میں ایک ٹکڑا ہے، وہ درست تو پورا جسم درست، وہ خراب تو تو پورا جسم خراب، وہ دل ہے، اس میں جسم کے مقابلے میں دل پر اولین توجہ دینے اور سب سے اہم سمجھنے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

عوام تو عوام ہے، دیندار وصاحب علم طبقات میں بھی دور اندیشی، دقت نظر، نکتہ رسی اور مستقبل بینی کا فقدان ہے، ان میں بھی یہی بے اعتدالی در آئی ہے، اہم کو نظر انداز کر کے غیر اہم پر اولین توجہ دی جارہی ہے، جب کہ علم وہ روشنی ہے جو اہم، غیر اہم، افضل، غیر افضل، صحیح، غلط، مقبول، مردود، سنت، بدعت، درست، نادرست ہر عمل کی نشاندہی کرتی ہے، اور شریعت کی نگاہ میں جس عمل کا جو درجہ اور گریڈ ہے وہ علم ہی سے متعین ہوتا ہے، مگر رسوخ علمی اور فقاہت سے محروم افراد اس فرق کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اعتدال کے صراط مستقیم سے نکل کر افراط وتفریط کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

بہت سے لوگ حد درجہ مخلص ہوتے ہیں، بے لوث ہوتے ہیں، مگر علمی گہرائی کی کمی کی وجہ سے راجح کو چھوڑ کر مرجوح میں، افضل کے بجائے مفضول میں اور ضروری کے بجائے غیر ضروری امور میں اپنی تمام تر علمی وفکری

توانائیاں صرف کرنے لگتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک علم ایک وقت یا مقام میں تو فوری اہمیت وتوجہ کا مستحق ہوتا ہے مگر دوسرے وقت یا مقام میں وہ اولین توجہ واہمیت کا مستحق نہیں ہوتا، مگر ناواقف افراد اسے ہر وقت اور ہر مقام پر فوری اہمیت وتوجہ کا مستحق سمجھتے ہیں۔

کچھ صاحب ثروت وہ ہیں جو تعمیر مسجد کی اہمیت وفضیلت کو سامنے رکھ کر ان محلوں اور علاقوں میں بھی مسجدیں بنوانے لگتے ہیں جہاں پہلے سے کئی مسجدیں موجود ہوتی ہیں اور کسی نئی مسجد کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی، مگر وہ ایک خطیر رقم فوری ضرورت کے بغیر تعمیر مسجد میں خرچ کر دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام حالات میں مسجد ویران وبے آباد رہتی ہے، دعوتِ دین، کفر والحاد کا مقابلہ اور دوسرے فوری ضرورت کے وہ کام جن کی طرف اولین توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے نظر انداز ہوجاتے ہیں، اور اصحاب ثروت ان مدوں میں رقم خرچ کرنے سے کتراتے ہیں۔

ہر سال موسم حج میں نفل حج کرنے والے افراد اور رمضان میں عمرہ کرنے والوں کا ایک زبردست ہجوم ہوتا ہے، بار بار حج وعمرہ کر چکنے کے بعد بھی دیار حرم کا شوق لوگوں کو لے جاتا ہے، حالانکہ یہی رقم اگر مسلمانوں کی فوری ضروریات میں خرچ ہو، مجاہدین کا تعاون کیا جائے، مشنری سرگرمیوں کا مقابلہ کیا جائے، بیواؤں اور یتیموں کی کفالت کی جائے، بے سہارا بچیوں کی شادی کا نظم کیا جائے تو بلاشبہ یہ نفلی حج وعمرہ سے زیادہ اچھا اور فوری توجہ کا محتاج مصرف ہے، چند سالوں قبل مشہور اسلامی اسکالر فہمی ہویدی نے ایک مضمون لکھا تھا اور یہ وضاحت کی تھی کہ ''بوسنیا کو بچانا فریضۂ حج سے مقدم ہے'' فقہی نقطۂ نظر سے اس وضاحت کا تجزیہ کرتے ہوئے مشہور مفکر ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں کہ مضمون نگار کی رائے فقہی ناحیۂ نظر سے بالکل درست ہے، یہ اصولی مسلمہ ضابطہ ہے کہ وہ فرائض جن کی فوری انجام دہی اور ادائیگی ضروری اور مطلوب ہو ان فرائض سے مقدم ہوتے ہیں جن کی ادائیگی میں کچھ تاخیر کی گنجائش نکل سکتی ہو، اور حج وہ فرض ہے جس میں تاخیر کی گنجائش نکل سکتی ہے، بعض ائمہ فقہاء کے ہاں حج کی ادائیگی علی الفور واجب نہیں، بلکہ اس میں تراخی (تاخیر) کی جاسکتی ہے، خصوصاً جب کہ عذر ہو اور دوسرا فوری مطلوب تقاضا درپیش ہو۔

بوسنیا کے مسلمان فقر وفاقہ، بیماری، قتل وغارت گری، عیسائی دشمنوں کی تخریبی سرگرمیوں کے شکار ہیں، دشمن عملی اقدامات کے ذریعہ ان کا وجود مٹانا چاہ رہا ہے، اس لئے ان کی مدد، ان کو ظالم سے بچانا اور ان کی اعانت فوری توجہ کا مستحق فریضہ ہے، جس میں ذرا سا تاخیر ؏ لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی کا مصداق ثابت ہوسکتی ہے، یہ پوری امت کی ایمانی غیرت، ملی شعور اور مذہبی حرارت کا مسئلہ ہے، اس لئے یہ بات بالکل درست ہے کہ بوسنیا کی حفاظت فریضہ حج پر مقدم ہے۔ (ملاحظہ ہو: فی فقه الأولويات ليوسف القرضاوی، ص: ١٦)

اعداد وشمار کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ عام طور پر ہر سال حج میں ۸۵ فیصد حاجی وہ ہوتے ہیں جو پہلے حج کر چکے ہوتے ہیں، اور اب حج نفل ادا کرنے آتے ہیں، جب کہ صرف ۱۵ فیصد حاجی پہلی بار حج کے لئے آنے

والے ہیں، بیس لاکھ حاجیوں میں تقریباً تین لاکھ حاجی نو وارد ہوتے ہیں، بقیہ دوسری یا تیسری بار آنے والے ہوتے ہیں۔ اگر نفلی حج وعمرہ ادا کرنے والی یہ اکثریت اپنی رقم نفلی حج وعمرہ میں صرف کرنے کے بجائے ان موقعوں پر خرچ کرتی جہاں خرچ کرنا فرض وواجب ہے، دنیا کے مختلف خطوں میں مادی ومعنوی تباہی سے دوچار اور دشمنوں کا نشانہ بنے ہوئے مسلمانوں کی عزت وآبرو اور جان کی حفاظت پر یہ رقم صرف ہوتی تو کتنا بڑا کام ہوتا اور دشمن کو اپنی مہم میں کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا؟ مگر افسوس کہ اس پہلو پر توجہ ہی نہیں دی جارہی ہے۔

ایک بے اعتدالی یہ بھی ہے کہ میڈیکل کالجوں، انجینئرنگ کالجوں اور جدید ٹیکنالوجی کے انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم پانے والے بعض مسلم نوجوان دعوتی جذبے سے سرشار ہوکر کارِ دعوت میں لگ جاتے ہیں، بلاشبہ یہ بہت مبارک کام ہے اور نوجوانوں کا یہ جذبہ بہت قابل قدر وتحسین ہے، مگر بعض اوقات اس کا منفی Negative پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ وہ اپنی تعلیم کو درمیان سے خیر باد کہہ کر دعوت ہی کے کام میں لگ جاتے ہیں، یہ افسوس ناک بات ہے، مسلم نوجوانوں کی ایک ٹیم کا ہر لائن اور ہر شعبے میں ہونا ضروری ہے بلکہ فرض کفایہ ہے، اگر میڈیکل، انجینئرنگ وغیرہ لائنیں مسلمانوں سے خالی ہوجائیں تو یہ ہمارا قومی و مذہبی جرم ہوگا، اخلاص نیت کے ساتھ ان لائنوں میں رہ کر خدمت کرنا اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا بہت بڑی عبادت ہے، وہ دین سے الگ دوسری چیز نہیں ہے، اس لئے اس سے تغافل اور اعراض قطعاً درست نہیں ہوسکتا۔

اگر ہر مسلمان اپنا شعبہ، پیشہ چھوڑ کر صرف ایک ہی طرح کے کام میں لگ جائے تو مسلمانوں کا بھلا کیسے ہوگا؟ صحابہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر شعبے کے لئے الگ الگ افراد تھے، کسی نے اپنا کام نہیں چھوڑا، ہاں جب جہاد عام کی صدا لگتی تھی اور ایمرجنسی حالات کا اعلان ہوتا تھا تو سب جہاد میں نکل پڑتے تھے، انہیں صحابہ کی پیروی کے ہم بھی مکلف ہیں، اسلام میں دین دنیا کی تفریق نہیں ہے، ہر کام دین بن سکتا ہے اگر شرعی حدود میں رہ کر بے لوثی کے ساتھ جذبۂ خدمت سے انجام دیا جائے، ہاں ہنگامی صورتحال میں تو جہاد کے لئے سب کو نکلنا ہی پڑے گا، یہ اسلام کا حکم ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ جو اپنے زمانے میں اسرارِ شرع کے بہت بڑے عالم تھے، انہوں نے یہ دیکھا کہ لوگوں کی توجہ فقہ وغیرہ کی طرف بہت ہے مگر طب کی طرف بالکل مسلمان متوجہ نہیں، بیماروں کو یہودی وعیسائی طبیب کے علاوہ کوئی مسلمان طبیب نہیں ملتا، اس صورتحال پر امام غزالی نے بہت سخت نوٹس لیا اور اپنے دور کے مسلمانوں کو طب کی طرف متوجہ کیا اور اس پر ابھارا کہ مسلم طبیبوں کی ایک ٹیم ہونی چاہیے۔

ہمارے موجودہ دور کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہم جزئی، فروعی اور غیر ضروری مسائل میں الجھ کر اپنی انرجی ضائع کررہے ہیں اور اصولی واساسی مسائل کی طرف سے بے خبر اور لاپرواہ ہیں، گھڑی دائیں ہاتھ میں باندھی جائے یا بائیں ہاتھ میں؟ عورت مسجد میں جاسکتی ہے یا نہیں؟ کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ پینٹ شرٹ

پہنی جاسکتی ہے یا نہیں؟ چمچوں اور کانٹوں کا استعمال جائز ہے یا حرام؟ یہ اور اس جیسے نہ جانے کتنے جزئی مسائل ہیں جن میں ہم الجھ کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، اپنی صفوں میں انتشار پیدا کر رہے ہیں، دلوں میں کدورتیں بڑھا رہے ہیں، یہ بے مقصد کوششیں ہیں اور فضول ولغو مصروفیات ہیں، جن میں پڑ کر ہم اساسیات کو نظر انداز کر بیٹھے ہیں۔

امت اسلامیہ کی مجموعی صورت حال کا تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ (۱) یہ امت ان فروض کفایہ کو نظر انداز کر رہی ہے کہ جو مسلمانوں کی اجتماعی قوت واستحکام کے ضامن ہیں، سائنس وٹیکنالوجی، صنعت اور میڈیا کے میدانوں میں سبقت اور نمایاں شرکت وہ بنیادی چیز ہے جس سے ہم غافل ہیں، حالانکہ یہ فرض کفایہ ہے جو ادا کر دیا جائے تو مسلمان عملی طور پر سیادت وقیادت کے منصب عالی پر متمکن ہو کر ظالموں کا پنجہ موڑ اور دشمنوں کی طاقت توڑ سکتے ہیں، اسی طرح غیر مسلموں میں دعوت اسلام کے فرض کفایہ سے بے اعتنائی عام ہے، جو شخص اس مہم میں سرگرم ہیں انہیں دوسرے بھائیوں سے کوئی تعاون نہیں مل رہا ہے۔ ظالم اور دین سے منحرف حاکموں کا مقابلہ اور ان کے سامنے اعلانِ حق اور نفاق ومداہنت سے بچنا یہ وہ فرائض ہیں جن سے امت مجموعی طور پر غفلت برت رہی ہے۔

(۲) بعض وہ چیزیں جو فرض عین کے زمرہ میں آتی ہیں ان سے بھی غفلت ہم میں عام ہے، یا تو ہم سرے سے ان کو ادا نہیں کرتے، یا ادا تو کرتے ہیں مگر ان کا مطلوبہ حق پورا نہیں کرتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان فرائض میں ہے جسے امت محمدیہ کا شعار قرار دیا گیا ہے، اور قرآن میں نماز وزکاۃ کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے اور اسے امت مسلمہ کے خیر امت ہونے کا ایک بنیادی سبب بتایا گیا ہے، اور یہود کو اسی فرض سے تغافل کے جرم میں ملعون قرار دیا گیا اور عذاب میں مبتلا کیا گیا، آج امت کی اکثریت اس سے غافل ہے، کسی منکر کے جواب میں تغییر بالید (زور بازو سے مٹانا) تغییر باللسان (زبان سے منکر پر نکیر کرنا) تغییر بالقلب (دل میں برا سمجھنا اور طاقت ملنے پر منکر مٹانے کا عزم مصمم کرنا) کے تین درجے ہیں، بمشکل آخری درجہ ہم میں پایا جاتا ہے، اور کچھ وہ بے توفیق بھی ہیں جو اس تیسرے درجے سے بھی محروم ہیں، اور حدیث کے بموجب رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ان میں نہیں ہے۔

(۳) بعض ارکان وفرائض پر توجہ ہے اور بعض پر توجہ نہیں، اس کی واضح مثال روزہ ہے، رمضان میں روزوں کی پابندی عام طور پر مسلمان کرتے ہیں مگر سال بھر نمازوں کی پابندی سے غافل رہتے ہیں، حالانکہ نماز بلاشبہ روزے سے زیادہ اہم ہے اور دین کا مرکزی ستون ہے، دوسری طرف وہ لوگ بھی ہیں جو نماز کے تو پابند ہیں مگر فریضۂ زکوۃ سے غافل ہیں، حالانکہ قرآن میں دسیوں مقامات پر نماز وزکوۃ کا ساتھ ساتھ ذکر آیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان ہے "أمرنا بإقامة الصلوة وإيتاء الزكوة، ومن لم يزك فلا صلوة له" (طبرانی) ہمیں نماز وزکوۃ کا حکم دیا گیا ہے، جو زکوۃ ادا نہ کرے اس کی نماز نا معتبر ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا "واللہ لأقاتلن من فرق بين الصلوة والزكوة" (متفق علیہ) ۔۔۔ ۔ر جنگ کروں گا جو نماز وزکوۃ میں فرق کرے، یعنی

نماز پڑھے اور زکوۃ نہ دے، جس طرح نماز چھوڑنا حرام ہے اسی طرح زکوۃ نہ دینا جرم ہے، اسی لئے صحابہ نے عہد صدیقی میں مانعین زکوۃ سے قتال پر اجماع کرلیا تھا۔

(۴) فرائض سے زیادہ نوافل پر توجہ ہوگئی ہے، بہت سے ایسے مسلمان ہیں جو اجتماعی زندگی کے فرائض سے کوتاہ ہیں، والدین کے ساتھ حسن سلوک، اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاملہ، کمزوروں پر رحم وکرم، یتیموں اور فقراء کی مدد، منکر پر نکیر، ظلم کا خاتمہ اور مقابلہ، تجارت میں امانت داری، جھوٹ اور فریب سے بچنا، دوسروں کے حقوق کی ادئیگی یہ سب وہ فرائض ہیں جن سے عام مسلمان غافل ہیں، اور اذکار، تسبیحات، اور اوراد وظائف جو نفلی درجے کی چیزیں ہیں ان پر ان فرائض سے زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

(۵) انفرادی عبادتوں پر خوب توجہ اور اجتماعی عبادتوں سے یکسر بے پروائی بھی ہمارا مرض ہے، ہم اپنی حد تک نماز اور ذکر کے خوب پابند ہیں، مگر اجتماعی اور متعدی نفع وافادیت کی حامل عبادتوں مثلاً جہاد، اصلاح معاشرہ، اتحاد کی کوشش، تعاون علی الخیر، دوسروں کو صبر ورحم کی تلقین، عدل کی دعوت، دوسروں کے حقوق کی پاسداری وغیرہ سے ہم یکسر بے پرواہ ہیں۔

(۶) ہم میں بہت سے لوگ حرام کاموں پر نکیر سے زیادہ مکروہات ومشتبہات پر نکیر کررہے ہیں، کبائر سے زیادہ صغائر پر نکیر کررہے ہیں، یہ بھی بے اعتدالی ہے، کبائر ومحرمات پر نکیر پہلے اور زیادہ ہونی چاہیے، صغائر ومکروہات پر بھی نکیر ہومگر اس کا درجہ دوسرے نمبر پر آتا ہے، بے ترتیبی سے فائدہ نہیں، نقصان ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم فروع وجزئیات میں لگ اور پھنس کر اصول کو نظر انداز کر بیٹھے ہیں، حالانکہ یہ ضابطہ ہے کہ جو اصول کو ضائع اور نظر انداز کردیتا ہے وہ منزل مقصود تک رسائی نہیں حاصل کرپاتا، ہم کبیرہ کو صغیرہ، صغیرہ کو کبیرہ، معمولی کو غیر معمولی، غیر معمولی کو معمولی، اول کو آخر، آخر کو اول، اہم کو غیر اہم، غیر اہم کو اہم، اولین درجہ کی چیز کو ثانوی، ثانوی درجہ کی چیز کو اولین سمجھنے، فرض سے زیادہ نفل پر توجہ، کبائر کا ارتکاب اور صغائر سے پرہیز کی سنگین غلطی اور بے اعتدالی میں مبتلا ہیں۔

یہ ہمارے لئے بڑا سنگین خطرہ ہے، آج اس کی شدید ضرورت ہے کہ ہم یہ بے اعتدالی دور کریں، افراط وتفریط سے نکل کر اعتدال وتوازن کو اپنا شعار بنائیں، اعمال وافعال کے مراتب سے واقف ہوں اور ہر چیز کو اس کے مقام مطلوب ومحمود پر رکھ کر عملی اقدام کریں، اسی میں ہماری دنیوی اور اخروی صلاح وفلاح مضمر ہے، اور یہی عقل اور شرع دونوں کا تقاضا اور مطالبہ بھی ہے(۱)۔

(۱) یہ اس موضوع کا سرسری مطالعہ وتجزیہ ہے، مزید تفصیل کے شائقین، یوسف قرضاوی کی عربی کتاب "فی فقہ الاولویات" کا مطالعہ کرسکتے ہیں، راقم نے اس مضمون کی ترتیب میں اس کتاب سے کافی مدد لی ہے۔

☆......☆......☆